نقشِ نامعتبر

قسیم الحق گیاوی

قیوم الحق گیاوی

کا

چوتھا مجموعۂ کلام

ناشر

دی کلچرل اکادمی ۔ رینہ ہاؤس ۔ جگ جیون روڈ ۔ گیا

قیمت

صرف بارہ ۱۲/- روپے رینہ ہاؤ

سالِ اشاعت قیمت

۱۹۷۸ء

کتابت

قمر نظامی، معروف گنج ۔ گیا

طباعت

ہند لیتھو پریس ۔ میکلوڈ گنج ۔ گیا

۷۸۶

بہار کے مایۂ ناز فرزند

قدر دانِ شعر و ادب

ڈاکٹر سیّد محمود مرحوم

کے نام

جن کی زندگی

ملک کی آزادی

اور

ملّت کی سربلندی کے لئے وقف تھی

تسیم الحق گیاوی

تقریظ

پروفیسر ڈاکٹر محمد محسن
سابق صدر شعبۂ نفسیات پٹنہ یونیورسٹی

قیم الحق گیاوی کی شاعرانہ حیثیت مسلم ہے۔ میں عرصہ سے انہیں ایک قادر الکلام اور پرگو شاعر کی حیثیت سے جانتا ہوں۔ غزل ہو یا نظم، ان کا منفرد انداز فکر اور مخصوص طرز بیان ہے۔ الفاظ کا مناسب استعمال، افکار کی گہرائی، معانی کے گوہر، اور زندگی کے تجربات و مشاہدات کے گہرے تاثرات کا عکس ان کی شاعری میں ملتا ہے۔ ادبی حلقے ہوں یا مشاعرہ کی محفلیں، میں نے ہر جگہ انہیں ایک کامیاب اور مقبول شاعر کی حیثیت سے دیکھا اور سُنا۔ فی البدیہہ برجستہ اشعار اور نظمیں کہنا ان کا خاص وصف ہے۔ ان کے ۳ مجموعے شائع ہو کر اپنا نقش دلوں پر مرتسم کر چکے ہیں۔ اب ان کا یہ چوتھا شعری مجموعہ "نقش نا معتبر" ایک نئے انداز سے جلوہ گر ہو رہا ہے۔ میں ان کی شاعری اور شخصیت دونوں کو پسند کرتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ ان کا تازہ شعری مجموعہ خواص و عوام میں مقبول ہوگا

محمد محسن
۲۱ ردسمبر ۲۰۰۶ء

دار الامان
بھتور پوکھر،
پٹنہ ۴

تعارف

پروفیسر سید شاہ عطاء الرحمٰن عطاؔ کاکوی
سابق صدر شعبۂ فارسی پٹنہ یونیورسٹی
سابق ڈائرکٹر
عربک اینڈ پرشین ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، پٹنہ

جناب تسیم الحق گیاوی کی زیر نظر تخلیق "نقش نامعتبر" پر اظہار خیال کرنے کے لئے تعارف کا عنوان تو قائم کیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اب وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ وہ صوبۂ بہار کے ابھرتے ہوئے شعرا کی صف میں نمایاں مقام رکھتے ہیں اور محفل شعر و سخن میں اپنے حسنِ کلام اور طرز بیان سے سامعین سے خراج تحسین وصول کرنے میں کامیاب ہیں۔ وہ خدا کے فضل سے ایک چھوڑ چار چار شعری مجموعوں کے خالق ہیں اور جیسا کہ مہدی افادی الاقتصادی نے علامہ شبلی کی تصانیف کے متعلق

کہا ہے کہ " ایک گود میں اور ایک پیٹ میں " تو یہ مقولہ جناب قسیم کے زائیدہ فکر کے متعلق بھی حرف بہ حرف صادق آتا ہے۔

جناب قسیم کا پہلا مجموعہ " نقش اول " ۱۹۶۷ء میں جلوہ گر ہوا، اس کے ۳ سال بعد ۱۹۷۰ء میں نقش ثانی عالم وجود میں آیا اور اس مصرعہ کے مصداق ٹھہرا کہ،

نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اوّل

ابھی نقش ثانی " پورے طور پر لوگوں کے دلوں پر مرتسم بھی نہ ہوا تھا کہ تیسرا مجموعہ بنام " نقش و نغمہ " ۱۹۷۵ء میں اپنی پوری جلوہ ریزیوں کے ساتھ منصّۂ شہود پر آگیا اور جس نے ملک کے اکثر و بیشتر ادیب و شاعر مثلاً عرش ملسیانی، خلیل الرحمٰن اعظمی، ڈاکٹر گیان چند اور دیگر حضرات سے تحسین و آفریں کے اسناد حاصل کئے۔

جن حضرات نے " نقش و نغمہ " کا مطالعہ کیا ہے وہ میری اس رائے سے ضرور متفق ہوں گے جو میں نے اس شعری مجموعہ کے تعارفی نوٹ میں بہ عنوان " کلام دلکش " پیش کی تھی کہ، ــــــــــ

" شاعر ماحول سے متاثر تو ہوتا ہی ہے مگر ایسے کم ہی شاعر ہیں جو ماحول کو متاثر کر کے اس کو سازگار بنائیں۔ شاعر نے ماحول اور سماج کی کمزوریوں پر نظر غائر ڈالی ہے۔ شاعر موصوف کا اخلاقی اور مذہبی شعور ان کو نئی قدروں سے روشناس ہونے کی ترغیب دیتا ہے۔ یہ وہ اثرات ہیں جن سے خیالات میں جدّت، افکار میں وسعت، الفاظ میں حرارت، اور طرز بیان میں ندرت پیدا ہوتی ہے۔"

اب غزل محض حسن و عشق کا صحیفہ نہیں رہی۔

"کام کچھ اور بھی ہیں عشق و محبت کے سوا"

اب اس کے دامن نے کائنات کی وسعتیں سمیٹ لی ہیں۔ اسی نظریئے کے شعور نے "نقش نا معتبر" کے مصنف کو مشاہدات کی بصیرت اور تجربات کی حقیقت سے آشنا کیا اور وہ اب اس نتیجے پر پہنچے کہ ؎

ہر اک شے دیکھ لی ہر چیز پر گہری نظر ٹھہری
جو پہلے معتبر تھی اب وہی نا معتبر ٹھہری

"نقش و نغمہ" میں وہ پہلے ہی کہہ چکے ہیں کہ

"غم معتبر ملا نہ خوشی معتبر ملی"

اور اسی خیال نے ان کو اپنے چوتھے مجموعۂ شعری کا نام "نقش نا معتبر" رکھنے پر مجبور کیا۔ تجربات تبلاتے ہیں کہ ہم جس کو حقیقت سمجھتے رہے وہ مجاز ٹھہرا، جس کو آب جان رہے تھے وہ سراب نکلا تو لا محالہ اعتبارِ نظر کا بھرم قائم نہیں رہ سکتا۔

"ہر چند کہیں کہ "ہے" نہیں ہے"

علم و دانش کی دکانیں سجی ہوئی ہیں مگر گاہک جہالت کا سودا خرید خرید کر اپنی جھولیوں میں بھر رہے ہیں۔ شاعر کا حساس دل اس سے اس قدر متاثر ہوتا ہے کہ اس کے قلم کی زبان اسے "ننگ ہنر" کا مرثیہ سنانے پر مجبور کرتی ہے۔ یہ حقیقت لاکھ تلخ سہی، پھر بھی حقیقت ہے اور حقیقت تو تلخ ہوتی ہی ہے۔

اس مجموعے میں شاعر نے منہ کا مزہ بدلنے کے لئے چند ایسی تخلیقیں بھی پیش کی ہیں جن پر "جدیدیت" کا اطلاق ہو سکتا ہے مگر جدیدیت کا جو اصلی مفہوم آج کل ہے یعنی روایت سے بغاوت اور ابلاغ میں "ابہام" اس سے شاعر کا دامن پاک ہے۔ جدت اسلوب کوئی قبیح فعل نہیں بلکہ مستحسن ہے۔ کیا دور متقدمین کے ایہام گو شعرا کے اسلوب سے مرزا مظہر جانجاناں نے بغاوت نہیں کی؟ کیا غالب نے روایتی شاعری کو یک گونہ ترک کرکے اس میں فکری عناصر کی آمیزش نہیں کی؟ وہ بھی اپنے عہد کا جدید شاعر تھا کیا شاد عظیم آبادی نے غزل میں نئے اسلوب سے اپنے مابعد کے شعرا مثلاً حسرت، فانی اور اصغر وغیرہ کو نئے ڈگر پر چلنے کی راہ نمائی نہیں کی؟

دنیا تغیر پذیر ہے اس لئے خیالات اور اسلوب بیان میں تغیر اور انقلاب ایک لازمی شے ہے مگر لاکھ تغیر سہی، شعر کو بہر حال شعر رکھنا ہی پڑے گا۔ قالب جو بھی ہو شعری محاسن کا ہونا ناگزیر ہے۔ اس نظریئے کے ماتحت تسیم الحق صاحب کی نظموں میں جدت تو ہے مگر شعری لطافت سے عاری بھی نہیں۔

شاعر نے ذوق عمل کی تلقین جس انداز سے کی وہ یقیناً ایک نیا اسلوب ہے۔ انسان کی ہمت کا تقاضہ تو یہ ہے کہ منزل سے بھی پرے بڑھ جائے ؎

کچھ جدت مزاج ہے کچھ شدت عمل　　منزل کو پیچھے چھوڑ کے چلتا رہا ہوں میں

زندگی میں یکسانیت اضمحلال کا باعث ہے۔ نت نئی آرزوؤں سے دل میں ولولۂ حیات پیدا ہوتا ہے۔ کتنا سبق آموز شعر ہے ؎

زندگی کی یکسانی دل کو مار ڈالے گی　　اک نیا اک منظر روز اُبھارتے رہیے

پست ہمت نوجوانوں کو وہ اس طرح للکار کر آمادۂ پیکار کرتے ہیں ؎

خدا گواہ کہ ہم سر بکف بڑھے جب بھی ٭ بڑی ہے تیغ ستم کی، سنا بھی ٹوٹی ہے

داغ نے اردو زبان کے متعلق کہا تھا۔ "آتی ہے اردو زباں آتے آتے"۔

زبان تو آگئی مگر سلیقہ سے اس سے مصرف لینا ابھی تک نہیں آیا مگر شاعر مایوس نہیں ؎

عامیانہ پن زباں سے جاتے جاتے جائے گا ٭ شعر کہنے کا سلیقہ آتے آتے آئے گا

آرزو سے حیات قائم ہے۔ اسی لئے نا امیدی کو کفر کہا گیا ہے۔ شاعر مایوس دلوں کو پیغام دیتا ہے ؎

اندھیرا یاس کا جتنا بھی چھائے ٭ چراغِ آرزو بجھنے نہ پائے

اسی زمین میں کتنا سادہ و پرکار شعر کہا ہے ؎

تری ہر بات کا مجھ کو یقیں ہے ٭ زمانے کو یقیں آئے نہ آئے

الغرض قسیم صاحب کی شاعری محض رسمی اور روائتی نہیں بلکہ اس میں دلولۂ حیات کی چنگاریاں بھی روپوش ہیں اور محاسن شعری کی دل آویزیاں بھی مستور ہیں۔ حساس دل ان سے محظوظ بھی ہوتا ہے اور نصیحت اندوز بھی۔

عطا کاکوی
۱۵ر دسمبر ۷۶ء

عطا منزل
سلطان گنج
پٹنہ ۸۰۰۰۰۶

پیش لفظ

جناب کلام حیدری
ڈائرکٹر دی کلچرل اکادمی، گیا
مدیر اعلیٰ
ماہنامہ "آہنگ" و ہفتہ وار "مورچہ" گیا

قسیم الحق گیاوی کے چوتھے شعری مجموعے کا پیش لفظ لکھتے ہوئے مجھے دو باتوں کا احساس شدت کے ساتھ ہو رہا ہے۔

پہلی بات تو یہ کہ میں پیشہ ور یا زود نویس قسم کا پیش لفظ لکھنے والا نہیں ہوں، اس لئے میرے پاس، ان رسمی الفاظ کی بے حد کمی ہے، جو پیش لفظ لکھنے کے لئے عام طور پر کام آتے ہیں۔ کاش، اگر ایسا ہوتا تو میں اطمینان سے چار چھ صفحات بھر دیتا اور نہ صرف یہ کہ پیش لفظ مکمل ہو جاتا بلکہ قسیم الحق گیاوی

بھی اس لحاظ سے مطمئن ہو جاتے کہ ان کی کتاب بغیر پیش لفظ بازار میں نہیں آرہی ہے۔ مثلاً میں اگر یہ لکھ دوں کہ قسیم الحق گیاوی اردو کے چند بہترین ابھرتے ہوئے معتبر قسم کے شاعروں میں سے ہیں یا یہ کہ قسیم الحق گیاوی اور ان کی شاعری سے بہار کی آبرو منسلک ہے، تو مجھے ایسا لگے گا کہ جیسے میں نے تین چیزوں سے بے ایمانی کی ہے، ایک اپنے آپ سے دوسرے پیش لفظ سے، تیسرے قسیم الحق گیاوی سے۔

دوسری قسم کی بے ایمانیوں کو میں اپنے لئے اور دوسروں کے لئے اس توقع سے برداشت کر سکتا ہوں کہ خدا بہت بڑا بخشنے والا ہے، لیکن ادب، اس قدر بے رحم ہے کہ وہ کسی بے ایمانی کو نہ تو برداشت کرنے کے لئے تیار ہے، اور نہ بے ایمانی کرنے والے کو بخشنے کے لئے۔

دوسرا احساس مجھے جو ستا رہا ہے وہ یہ ہے کہ شاعری کی تنقید یا اس کے جائزے کے لئے میں خود کو ہی نامعتبر سمجھتا ہوں۔ شعر کی نزاکتیں، شعر کی نفاستیں، اس کے ابہام میں چھپی ہوئی وسیع و عریض دنیا، اس کے ابلاغ میں سمٹی ہوئی کائنات، دلوں کو بغیر مضراب کے چھیڑنے والی لہریں، ذہن کو بغیر ٹھوکے جھنجھوڑنے کی کیفیت ——— ان تمام چیزوں کا احاطہ، مجھ جیسا کم علم کیسے کر سکتا ہے؟ جو خود اپنے آپ کو نہ سمجھنے کی اذیت میں مبتلا ہو۔ مجھے اپنے آپ میں، اور قسیم الحق گیاوی میں، ایک قدرِ مشترک جو نظر آتی ہے وہ یہی بے اعتباری ہے، جو ہم دونوں کو اپنے متعلق ہے۔

بعض نقادوں کو اصرار ہے کہ شاعری میں عصری آگہی ہو، بعض فرماتے ہیں کہ اس میں خود آگہی ضروری ہے، جب کہ آگہی ایسا لگتا ہے، خود ہی نامعتبر ہو سے

کہ ہر اک آگہی نامعتبر ہے

پروفیسر سید شاہ عطار الرحمٰن عطا کاکوی جیسا کلاسیکی، اسکالر اور شعر شناس جب یہ کہتا ہو کہ

"شاعر ماحول سے متاثر تو ہوتا ہی ہے مگر ایسے کم ہی شاعر ہیں، جو ماحول کو متاثر کرے اس کو ساز گار بنائیں ...... شاعر موصوف کا اخلاقی اور مذہبی شعور، ان کو نئی قدروں سے روشناس ہونے کی ترغیب دیتا ہے۔ یہ وہ اثرات ہیں، جن سے خیالات میں جدت، افکار میں وسعت، الفاظ میں حرارت اور طرز بیان میں ندرت پیدا ہوتی ہے۔"

تو پھر میرے لئے اس سے انحراف کی گنجائش کم ہی رہ جاتی ہے۔

مجھے لگتا ہے کہ بنیادی طور پر قسیم الحق گیاوی کی جو تعلیم ہوئی ہے، وہ انہیں اردو کے کلاسیکی ادب کی روایات کی جانب کھینچتی ہے، اور دوسری طرف قسیم الحق گیاوی کا اپنا زمانہ، اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرتا ہے سے

کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے

کلاسیکی انداز اور رکھ رکھاؤ جب ان کی شاعری میں در آتا ہے، تو وہ جناب عطار الرحمٰن عطا کاکوی سے داد لیتے ہیں اور جب وہ اپنے زمانے کی طرف لپکتے ہیں تو ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی مرحوم جیسا صاحبِ علم، صاحبِ ذوق اور اہم تخلیق کار اس توقع کا اظہار کرتا ہے۔

"مجھے توقع ہے کہ آئندہ قسیم الحق صاحب کے کلام میں
کچھ اور نئی تہیں پیدا ہوں گی"۔

شاید نقشِ نامعتبر میں خلیل الرحمٰن اعظمی کی، وہی متوقع تہیں ہیں، جو بعض مقامات پر اپنی جھلکیاں دکھاتی ہیں، اور قسیم الحق گیاوی کے یہاں، جو کلاسیکی روایات ہیں ان کو وسعت دیتی ہیں ؎

مرے سامنے روشنی ہے
مگر چھوڑتا کب ہے پیچھا اندھیرا

قسیم الحق گیاوی کو سامنے کی روشنی پر نظر رکھنی چاہئے، کیونکہ پیچھے کے اندھیرے، خود اندھیروں میں گم رہتے ہیں۔ سامنے کی یہی روشنی شاعر کو یہ آگہی بخشے گی، ؎

نہ جانے کیوں وہ عداوت تک آ پہنچتا ہے
جو ابتدا میں رفیق و حبیب لگتا ہے

سب سے بیزاری، ہراس اور شکست خوردگی کا احساس پیدا کرتی ہے، شاید قسیم الحق گیاوی "نقشِ نامعتبر" تک آتے آتے، اس معمولی سی، مگر اہم آگہی تک پہونچ گئے ہیں ؎

کبھی تو سب سے ہوں بیزار، اور کبھی مجھ کو
ہر ایک آدمی دل کے قریب لگتا ہے

ہر شخص مجھ کو اپنا سا لگتا تھا بھیڑ میں
پھر بھی میں کہہ رہا ہوں کہ تنہا تھا بھیڑ میں

پیش لفظ لکھنے والے کے لئے اور خصوصاً مجھ جیسے لوگوں کے لئے، یہ بات مناسب نہیں لگتی کہ، میں اردو شاعری میں قسیم الحق گیاوی کا کوئی درجہ یا مرتبہ متعین کروں، پر ایک بات اس مجموعے کے متعلق عرض نہ کردوں تو میرے دل میں ایک چھوٹا سا کانٹا گڑ جائے گا۔ قسیم الحق گیاوی کی شاعری میں، جذباتیت ہے، یہ جب تربیت پالے گی تو جذبہ بن جائے گی اور جذبہ شاعری کی روح ہے، اگر اس مجموعے کے مطالعے سے مجھ پر یہ ظاہر نہ ہوتا کہ ان کے یہاں جذباتیت ہے، تو میں اس توقع سے محروم رہ جاتا کہ ان کی شاعری میں، شاعری کی روح بھی سمٹ کر آجائے گی، جذباتیت کی تربیت کیسے ہوتی ہے، اور وہ کیسے جذبہ بن جاتی ہے، اس کی جھلک اس شعر میں ملتی ہے ؂

زندگی ایک بحر ہے اور ہم ہیں اس کے غوطہ خور
جو بھی ڈوبا ہے، وہ اوپر آتے آتے آئے گا

ہمیں اس ڈوبنے والے کے، اوپر آتے آتے آنے کا انتظار کرنا چاہئے۔

کلام حیدری
۲۱ر دسمبر ۷۸ء

دی کلچرل اکادمی
[illegible] ہاؤس
نیو جیون روڈ، گیا

رنگِ سخن

پروفیسر ابوذر عثمانی
استاد شعبۂ اردو
رانچی یونیورسٹی، رانچی

قسیم الحق گیاوی اردو کے ایک جانے پہچانے اور کہنہ مشق شاعر ہیں۔ ان کے کلام کے اب تک متعدد مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ "نقش نامعتبر" ان کا تازہ ترین مجموعہ ہے۔ اس مجموعے میں شاعر نے اپنے فکر و فن کے کچھ نئے نقوش ابھارے ہیں۔ یہ نقوش نامعتبر نہیں کہے جا سکتے۔ ان میں شعری زبان اور تخیل کی کرشمہ کاریاں نمایاں ہیں۔ جن سے زندگی اور زمانے کے نامعتبر نقوش معتبر بن گئے ہیں۔

اس پس منظر میں دیکھا جائے تو قسیم الحق گیاوی کا کلام ہمیں نئے عرفان اور بصیرت سے ہم کنار کرتا ہے۔ انہوں نے جن احساسات کا اظہار کیا ہے ان میں بڑی زندگی اور توانائی پائی جاتی ہے۔ وہ زندگی کے روشن اور تابناک رخ کو سامنے رکھتے ہیں اور ذاتی درد و کرب کا اظہار کرتے ہوئے بھی اس رخ کو فراموش نہیں کرتے۔ اس معاملے میں ان کا رویہ اور لہجہ جدید شعرا کی اکثریت سے مختلف ہے۔ ان کے یہاں منفی کرب اور دکھ کا احساس نہیں ملتا وہ مایوسی، شکست خوردگی اور گھٹن کا اظہار نہیں کرتے۔ جدید زندگی کا انداز جہاں انہیں مایوس کرتا ہے، ان کا لہجہ طنز آمیز ہو جاتا ہے اور اس میں تلخی اور کربناکی کے باوجود ایک اکڑ، بانکپن اور قلندرانہ شان اور تیور نمایاں ہو جاتا ہے۔

قسیم الحق گیاوی کی شاعری کا یہ مخصوص انداز ہے جس سے ان کی شاعری پہچانی جا سکتی ہے۔ اس مجموعے میں ان کا یہ رخ اور نمایاں ہو کر سامنے

آیا ہے۔ ان کے پچھلے مجموعوں کی طرح اس مجموعے میں بھی غزلیں اور نظمیں دونوں ہی شامل ہیں اور دونوں کے مجموعی مطالعے سے ان کے شعری مزاج اور طرزِ آہنگ کو زیادہ بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ بظاہر ان کی طبیعت غزل گوئی سے زیادہ مانوس ہے اور اسی صنف میں ان کی جولانیٔ طبع کا زیادہ بھرپور اور مؤثر اظہار بھی ہوا ہے مگر انہوں نے نظمیں بھی سلیقے سے کہی ہیں اور ان میں اظہار اور لہجے کے تنوع اور انفرادیت کا واضح احساس کیا جا سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ نظم کے فارم میں اپنے تخلیقی جینیس کا زیادہ بہتر اور کامیاب اظہار کر سکتے ہیں جس کی طرف ابھی انہوں نے پوری توجہ نہیں دی ہے۔

قیم الحق گیاوی اردو شاعری اور غزل کے مزاج اور روایات سے آشنا اور اس کے اداشناس ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی غزلیں نئے احساسات اور نئی شعری روایات اور اقدار سے قریب ہونے کے باوجود اپنی زبان لہجے، آہنگ اور علائم کے برتاؤ میں معتدل اور متوازن ہیں اور شعری ابلاغ کے تقاضوں کو نسبتاً کامیابی سے پورا کرتی ہیں۔

ابوذر عثمانی
۲۳ر دسمبر ۱۹۷۸ء

کریم منزل
پتھل کدوا
رانچی

نقشِ نامعتبر

فقط اک معتبر ہستی ہے تیری
قسیمِ خستہ بھی نا معتبر ہے

قسیم الحق گمادی

معتبر

(غزل نما نظم)

ہماری ہر خوشی نا معتبر ہے
یقیناً زندگی نا معتبر ہے
غلط انساں کے سارے فلسفے ہیں
کہ ہر اک آگہی نا معتبر ہے
غزل، نظم و قصیدہ، مرثیہ، بیت
یہ ساری شاعری نا معتبر ہے

مدرسوںؔ کی ہو، یا ہو کالجوں کی
سندِ تعلیم کی نامعتبر ہے
اُجالا رُخ کا زلفوں کا اندھیرا
یہ سارا قصہ ہی نامعتبر ہے
دلوں کے ولولے جذبے غلط ہیں
وجودِ قلب ہی نامعتبر ہے
ستاروں کی چمک بس چند لمحہ
بے چاری چاندنی نامعتبر ہے
فقط اک معتبر ہستی ہے تیری
قسیمِ خستہ بھی نامعتبر ہے

ؔ عام بول چال میں جو تلفظ ہے، اس سے فائدہ اُٹھایا گیا ہے۔

وہ ہمارے واسطے سوغات لے کر آئے گا
شعر لے کر آئے گا نغمات لے کر آئے گا

گرم موسم سے نہ اُلجھو، گرم موسم رہنے دو
ورنہ یہ جائے گا اور برسات لے کر آئے گا

دوست کا پیغام لے کر پہلے آتا تھا وہ شخص
اب وہ کیسے آئے گا، کیا بات لے کر آئے گا

قسیم الحق گیاوی

نقشِ نامعتبر

اب یہ موسم چل بسا، سب اس کی باتیں بھول جا
اگلا موسم اک نئی سوغات لے کر آئے گا

اپنا غم کس سے کہو گے، غم گسار اب کون ہے
جو بھی آئے گا وہ کربِ ذات لے کر آئے گا

زندگی بھر ساتھ دینے کا رواج اب اُٹھ گیا
جو بھی ساتھ آئے گا کچھ لمحات لے کر آئے گا

دن لیے آئے گا جب وہ، کیا ملیں گے اس سے ہم
مل سکیں گے کھُل کے جب وہ رات لے کر آئے گا

اب وہ بے چارا پڑا ہے قلبِ یخ بستہ لیے
اب وہ کیا شعلہ صفت جذبات لے کر آئے گا

چہروں کی بھیڑ بھاڑ میں تنہا رہا ہوں میں
پانی کے درمیان جزیرہ رہا ہوں میں
سو کام کی صلاحیتیں اپنے پاس ہیں
پھر بھی بغیرِ عشق نکما رہا ہوں میں

بے چہرگی کے خول میں دبکے ہوئے ہیں لوگ
اور ان کے بیچ بولتا چہرہ رہا ہوں میں
جرأت اُگلنے کی نہ نگلنے کی تاب ہو
دُنیا کے منہ میں ایسا نوالہ رہا ہوں میں
کیا پیڑ مصلحت ہے یہ سوچا نہیں کبھی
کانٹے خود اپنے واسطے بوتا رہا ہوں میں

ٹھنڈی ہوا سے کم ہی مجھے واسطہ رہا
بادِ سموم ہی سے نمٹتا رہا ہوں میں

کچھ حدتِ مزاج ہے کچھ شدتِ عمل
منزل کو پیچھے چھوڑ کے چلتا رہا ہوں میں

وہ لوگ چند ہی ہیں جو مجھ کو سمجھ سکے
ہر اک نظر میں ورنہ معمہ رہا ہوں میں

ڈوبا تو اس طرح کہ نہ ابھروں گا جیسے اب
ابھرا تو آسمان کا تارا رہا ہوں میں

کچھ لوگ میرے سایہ میں مامون ہو گئے
کچھ "دوستوں" کی نیند اڑاتا رہا ہوں میں

دریا سے بڑھ کے جس میں ہیں طغیانیاں قسیم
احباب کی نظر میں وہ قطرہ رہا ہوں میں

لاکھ تم آؤ نیا روز بدل کر چہرہ
میرے چہرے پہ نہیں کوئی مکرر چہرہ

بھیڑ میں چہروں کی، اُس چہرے کی ہے سب کو تلاش
اپنے چہرے سے جو ہو جائے مسخّر چہرہ

رونقیں چہروں کی دُھل جاتی ہیں ہٹ جاتی ہیں
وقت جب اپنا دکھاتا ہے ستم گر چہرہ

نسیم الحق گیاوی

کیا قیامت ہے کہ ہر شخص کی خواہش ہے یہی
میرے چہرے کے نہ ہو کوئی برابر چہرہ

کیا کہیں ہم کہ زمانہ کی ہوا کیسی ہے
رکھ دیا جس نے ہر انساں کا جھلس کر چہرہ

دل تو ہے دُور، وہاں آپ کہاں پہنچیں گے
پہلے کیجے تو ذرا کوئی مسخّر چہرہ

دل کے پتھّر ہیں مگر جب بھی ملوگے ان سے
پھول سا اپنا بنالیں گے وہ ہنس کر چہرہ

جب کہ ہر لمحہ بدل جاتے ہیں چہروں کے نقوش
کیا کہے کوئی کہ ہے کون سا بہتر چہرہ

عقل مفلس ہی سہی، ذہن بھکاری ہی سہی
پھر بھی ہے آپ کا صد شکر، تونگر چہرہ

پھول سے چہرے کو اب آنکھ ترستی ہے قسیمؔ
اب تو ہر چہرہ لگے ہے کہ ہے پتھّر چہرہ

ہر ایک موڑ پہ آتے ہیں لوگ سمجھانے
وفا کا نام نہ لے زندگی کے دیوانے

نہ بھاگو شہروں سے، جاؤ گے بھاگ کے بھی کہاں
پناہ مانگتے ہیں تم سے اب تو ویرانے

بلا سے ذہن ترستے ہیں روشنی کے لیے
سجے ہوئے ہیں چراغوں سے اپنے کاشانے

وہ ایک بات، کہ دل کھنچ گیا تھا تیری طرف
اُس ایک بات کے اب بن گئے ہیں افسانے

کھُلی جو آنکھ تو اک غم کا سلسلہ پایا
یہ غم کہاں سے چلے آتے ہیں خدا جانے

پڑے ہیں بند، تو پہنچے گی کیسے تازہ ہوا
خدا کے واسطے کھولو دلوں کے تہ خانے

نسیمؔ کیوں نہ غموں کے بیاں میں مست رہے
خوشی پرائی ہے، غم ہی ہیں جانے پہچانے

———

اُف وہ لذّت کہ ترا طالبِ دیدار تھا میں
ہائے یہ وقت کہ تو بھی مرا طالب نکلا
گورے گورے سے جو حاکم تھے گئے اپنے وطن
ہر نئی کار سے لیکن نیا صاحب نکلا
لب ہلے اُس کے تو سمجھا کہ تغافل ٹوٹا
پاس پہنچا تو وہ خود ہی سے مخاطب نکلا
بے ہُنر جو بھی ہے وہ اپنے خیالوں میں قسیم
کبھی آتش، کبھی مومن، کبھی غالب نکلا

نہ راہرو کی طرح ہیں نہ راہبر کی طرح
عجیب لوگ ہیں، بے حس ہیں رہگزر کی طرح

ٹکاؤ کوئی، نہ ڈیرا کوئی، نہ نخلستاں
کٹی ہے عمر، کڑی دھوپ میں سفر کی طرح

ہمارے ساتھ بھی معصوم کیسے کیسے ہیں
ہر آدمی کو سمجھتے ہیں یہ خضر کی طرح

یہی نہیں کہ مری شام ہو گئی برباد
سحر بھی میری نہ نکلی تری سحر کی طرح

وہ شخص مجھ کو بڑا بدنصیب لگتا ہے
ہر ایک دوست جسے اک رقیب لگتا ہے

معاملہ یہ بہت ہی عجیب لگتا ہے
جو کم نظر ہے وہی خوش نصیب لگتا ہے

متاعِ فکر، نہ زورِ قلم مگر پھر بھی
وہ گفتگو میں سرِ بزم ادیب لگتا ہے

غریبِ شہر، نہ مفلس، نہ جاہ سے محروم
مگر وہ دل کا بڑا ہی غریب لگتا ہے

قسیم الحق گیاوی

چھڑی ہو بحث اگر دوسروں کی خامی کی
ہر ایک اپنی جگہ پر خطیب لگتا ہے

نہ جانے کیوں وہ عداوت تک آ پہنچا ہے
جو ابتدا میں رفیق و حبیب لگتا ہے

ہو زندگی کا کوئی گوشہ، کیا کہوں اے دوست
ہر ایک گوشہ مجھے اب مہیب لگتا ہے

کبھی تو سب سے ہوں بیزار اور کبھی مجھ کو
ہر ایک آدمی دل کے قریب لگتا ہے

تسیلمؔ کس سے کہوں، کیا کہوں کہ اصل میں اب
خود اپنا حال مجھے کچھ عجیب لگتا ہے

مرے دل سے نکلا جو گہرا اندھیرا
نہ جانے کہاں تک وہ پھیلا اندھیرا

مرے سامنے روشنی روشنی ہے
مگر چھوڑتا کب ہے پیچھا اندھیرا

مجھے روشنی تک پہنچنے نہ دے گا
اندھیرے میں رکھّے گا دل کا اندھیرا

چراغوں کی لَو تیز تر ہو رہی تھی
دلوں پر مگر چھا رہا تھا اندھیرا

کہیں تو حدیں ختم اس کی بھی ہوں گی
اندھیرا کہاں تک رہے گا اندھیرا

نہ تھی جب جواں میری جولانیٔ طبع
مری زندگی میں کہاں تھا اندھیرا

نقش ناظر — سیم الحق گیاوی

جملوں کے مطالب کیا جانیں لفظوں کے معانی بھول گئے
کچھ ایسے ہوئے مدہوش کہ ہم ہر بات پُرانی بھول گئے

تم یاد رہے ہر لحظہ ہمیں، بس تم ہی ہمیں اک یاد رہے
کیا بات کہی تھی تم نے ہمیں، کیا دی تھی نشانی بھول گئے

آفاتِ مسلسل نے ہم کو اس طرح اچانک آ گھیرا
پہلے تو بھلایا بچپن کو، پھر اپنی جوانی بھول گئے

احباب نے اس درجہ ہم کو، بے چین کیا بے تاب کیا
ہم تیری عداوت بھی واللہ اے دشمنِ جانی بھول گئے

سوچا تھا کہ سب کہہ دیں گے اُنھیں محفل میں گئے جب اُن کی مگر
کچھ زخم دکھانا بھول گئے، کچھ غم کی کہانی بھول گئے

دل کے لیے ہے درد کا جنگل
چہرے پر منگل ہی منگل

آج اگر ہیں غم کے اندھیرے
ہوگی خوشی کی دیوالی کل

امرت اس کو کیوں کہتے ہو
دیکھو یہ ہے زہر ہلاہل

بن ہی گیا کافر جب کافر
کیوں نہ لکھیں قاتل کو قائل

جاؤ، جاکر موج اڑاؤ
تم کو کیا، جو کوئی ہے بیکل

ہائے کہاں پہلی سی جوانی
لائیں کہاں سے اب وہ کس بل

شہرِ وفا ویران پڑا ہے
خود غرضی کی بستی جھل جھل
روز نئے دھوکے کھاتا ہوں
روز نئی ہے دل کی ہلچل
آپ کی آنکھیں توبہ توبہ
جیسے کوئی ساغر ہو چھل چھل
آپ کی دنیا گلشن گلشن
میرا مقدر جنگل جنگل
ایک غزل ہو اور اچھوتی
پھر چھائے ہیں غم کے بادل
جاؤ قسیم ان سے پوچھو تو
چھمکی ہے کیوں ان کی پایل

ہجومِ یاس یوں گھیرے نہ ڈالے
چراغِ دل کو بجھنے سے بچالے

بھری دنیا میں اب کوئی نہیں ہے
جو خود بڑھ کر مجھے اپنا بنالے

بہت رویا ہوں، روتا ہی رہا ہوں
کوئی آکر کلیجے سے لگالے

مرا دل ہے مگر میرا نہیں ہے
یہ دل تو ہو چکا تیرے حوالے

جو چہرے ہیں بظاہر رشکِ انجم
کہوں کیسے کہ ان کے دِل ہیں کالے

سفینوں کو کناروں کی طلب ہے
مری کشتی بھنور کے ہے حوالے

قیّم الحق گیاوی

بے چین کوئی ہوگا بے تاب کوئی ہوگا
محفل میں درخشاں جب مہتاب کوئی ہوگا

دیوانے بنے ہو کیوں، کیوں پھرتے ہو آوارہ
دریائے تمنا میں گرداب کوئی ہوگا

وہموں کی ہوئی یورش کچھ ایسی کہ مت پوچھو
امرت کو سمجھ بیٹھے زہراب کوئی ہوگا

اب تک تو یہاں دیکھا پژمردہ نظارا تھا
کیا اور کہیں منظر شاداب کوئی ہوگا؟

کہتے ہو جسے تم دل، وہ دل تو نہیں لیکن
پہلو میں قسیمؔ اپنے سیماب کوئی ہوگا

صبح عشوہ گر ٹھہری شام نازنیں نکلی
جنتِ تصوّر بھی کس قدر حسیں نکلی

زندگی تجھے ہم نے آزما کے دیکھا ہے
بے وفا بہت نکلی گرچہ مہ جبیں نکلی

لوگ آستانہ سے لے کے آئے ہیں کیا کیا
کیوں فریب آسودہ میری ہی جبیں نکلی

اور کوئی سیّارہ قدرداں کہاں اپنا
رشکِ صد فلک یارو اپنی ہی زمیں نکلی

تیرا نرم سا لہجہ کتنا دل کشا نکلا
تیری سادہ گفتاری کتنی دل نشیں نکلی

کیوں قسیم جاتے ہو بے سبب خفا ہو کے
بزم میں تمہاری تو بات ہی نہیں نکلی

ہر شخص مجھ کو اپنا سا لگتا تھا بھیڑ میں
پھر بھی میں کہہ رہا ہوں کہ تنہا تھا بھیڑ میں

تنہائیوں میں اور بھی عکسوں کی بھیڑ ہے
اس سے زیادہ چین تو ملتا تھا بھیڑ میں

خنجر سے چہرے سب کے تھے تلوار سی تھی چال
اک میں بے چارہ تھا جو نہتا تھا بھیڑ میں

تصویر اب بھی ذہن کے پردے پہ نقش ہے
کل میں نے ایک شخص کو دیکھا تھا بھیڑ میں

اس طرح تیز تیز چلے جا رہے تھے لوگ
ہر شخص گویا توپ کا گولا تھا بھیڑ میں

اعصاب مضمحل ہیں تو دل سو رہا ہے اب
مایوس ہو کے حوصلہ وہ کھو رہا ہے اب
اک دن وہ تھا کہ اس کو تھی ہر شے کی آرزو
ناکامِ آرزو ہے، پڑا رو رہا ہے اب
احباب نے کچھ ایسے کچوکے لگائے ہیں
زخموں کو دیکھ دیکھ کے وہ رو رہا ہے اب
احسان دوستوں پہ کیے، اک گنہ کیا
ہوش آ گیا ہے اور وہ گنہ دھو رہا ہے اب
راس آ سکی نہ پھولوں کی نرمی اُسے قسیمؔ
کانٹے خود اپنی راہ میں وہ بو رہا ہے اب

غالبؔ و داغؔ و میرؔ ہیں ہم لوگ
خواہشوں کے اسیر ہیں ہم لوگ

جیب کا حال ہم سے مت پوچھو
ذہن و دل کے امیر ہیں ہم لوگ

اب ہمیں آپ کیا مٹائیں گے
پتھروں کی لکیر ہیں ہم لوگ

اب کسی اور در پہ کیا جائیں
تیرے در کے فقیر ہیں ہم لوگ

پھول ہیں ہم وفا شناسوں میں
بے وفاؤں پہ تیر ہیں ہم لوگ

لکھتے جاتے ہیں غل نہیں کرتے
خامۂ بے صریر ہیں ہم لوگ

پست ہیں یا بلند، جیسے ہیں
آپ اپنی نظیر ہیں ہم لوگ

خانوں میں مکاں بانٹ کے انسان نے رکھا
سو کام سمیٹے ہوئے اک جان نے رکھا

دنیا میں رہے محو، جو تھے عقل کے بندے
دل میں نگہِ یار کو نادان نے رکھا

کب کج کلہی میری رہی ہے ترے آگے
سر اپنا خمیدہ ترے احسان نے رکھا

اک موجِ گُنہ تھی، جو ڈبونے کو تھی تیار
مجھ کو تو سلامت مرے ایمان نے رکھا

کل گزری تھی جو، بھول گئے آج بصد شوق
محفوظِ غمِ زیست سے نسیان نے رکھا

غموں نے آکے سنبھالا جہاں بھی ٹوٹی ہے
خوشی کی ڈور یہاں بھی وہاں بھی ٹوٹی ہے
سفینہ تیز ہے، غرقاب تو وہ کیا ہوتا
بڑھا ہے آگے تو موجِ رواں بھی ٹوٹی ہے
یہی نہیں کہ تغافل کی خو وہ بھول گئے
بلا جو اُن سے تو مُہرِ دہاں بھی ٹوٹی ہے
خدا گواہ کہ ہم سر بہ کف بڑھے جب بھی
مُڑی ہے تیغ ستم کی، سناں بھی ٹوٹی ہے
قسیمؔ اب بھی مرا حوصلہ نہیں ٹوٹا
اگرچہ جسم بھی ٹوٹا ہے، جاں بھی ٹوٹی ہے

عامیانہ پن زباں سے جاتے جاتے جائے گا
شعر کہنے کا سلیقہ آتے آتے آئے گا

کیوں فریبِ سرخوشی کھاؤں کہ میں غم دوست ہوں
غم اگر جائے گا بھی تو جاتے جاتے جائے گا

جستجوئے حسن کو اک عمر لمبی چاہیئے
دل اُسے پائے گا لیکن پاتے پاتے پائے گا

آسماں پر روشنی کی اُبھری اک ننھی لکیر
یہ ہلالِ نو فلک پر چھاتے چھاتے چھائے گا

زندگی اک بحر ہے اور ہم ہیں اس کے غوطہ خور
جو بھی ڈوبا ہے وہ اوپر آتے آتے آئے گا

جو اہلِ نظر آئے ، بیزار نظر آئے
انساں کی تباہی کے آثار نظر آئے
احباب کے بارے میں کیا عرض کیا جائے
ان سے تو کہیں بہتر اغیار نظر آئے
سب تیرے قصیدہ خواں، سب میں تری تعریفیں
بازار میں یکساں سب اخبار نظر آئے
اپنا ہو کہ بیگانہ، جس پر بھی نگہ ٹھہری
سب میری نگاہوں کو دل دار نظر آئے
ہمدم تھے بہت لیکن، سب دُور تھے غافل تھے
کم ہی تھے، مگر دشمن ہشیار نظر آئے

اک وہ بھی زمانہ تھا، ہر بات کی قیمت تھی
اب تو مرے آنسو بھی بیکار نظر آئے
جو رنج ہمیں پہنچے، جو غم بھی ملے ہم کو
وہ سب ہمیں قدرت کے شہکار نظر آئے
محفل میں غزل پڑھ کر جس وقت قسیم اُٹھا
ہر ذہن میں اس کے کچھ اشعار نظر آئے

پُرسکوں ندی بہت ہے، آج طوفاں آئے گا

گھر چلا جائے گا میرا، اور بیاباں آئے گا

شہر سب بچ جائیں گے، کھیتوں میں طوفاں آئے گا

پھر کہاں سے آپ کے جینے کا ساماں آئے گا

دوسروں کے بل پہ اس کو ڈگریاں کچھ مل گئیں

شہر میں اب بن کے وہ استاذِ دوراں آئے گا

قیام الحق گیاوی

ڈگریاں جب ہیں تو ہم شاعر بھی ہیں فن کار بھی
مخلصوں کا ویسے کچھ، ہم پر بھی احساں آئے گا

لوگ جائیں گے وہاں تو کوئی پوچھے گا نہیں
ہم جو پہنچیں گے تو سگ آئے گا درباں آئے گا

اُس کی آمد پر ہوں خوش کیا اس کی خاطر کیا کریں
جب ہمیں معلوم ہے ہر سال مہماں آئے گا

جو سکونِ دل کے ہیں اسباب چھن جائیں گے سب
رات طوفاں خیز، دن محشر بداماں آئے گا

دوست جو ہے صبح کو، وہ شام کو ہوگا حریف
کل جو دشمن تھا بطرزِ خیرخواہاں آئے گا

قسیم الحق گیاوی

ڈوب اس طرح سے غم میں، اُبھرنا بھی چھوڑ دے
قدرِ الم میں سعیِ مداوا بھی چھوڑ دے

دُنیا تو تیرے ہاتھ سے دامن چھڑا گئی
اب بھی نہ ہو جو ہوش تو عقبیٰ بھی چھوڑ دے

تیغ و تفنگ ہے نہ رباب اور چنگ ہے
اب کیا کوئی قلم کا سہارا بھی چھوڑ دے

تو سامنے نہیں تو تری آرزو سہی
ایسا کہاں یہ دل کہ تمنّا بھی چھوڑ دے

کہہ دو نسیمؔ سے کہ نہ بھٹکے اِدھر اُدھر
منزل نہیں جو کوئی تو چلنا بھی چھوڑ دے

اندھیرا یاس کا جتنا بھی چھائے
چراغِ آرزو بُجھنے نہ پائے
تری ہر بات پر مجھ کو یقیں ہے
زمانہ کو یقیں آئے نہ آئے
تمہیں وارفتہ ہو جب تیرگی پر
کوئی شمعِ وفا کیسے جلائے

قیم الحق گیاوی

زندگی کی یکسانی دل کو مار ڈالے گی
اک نہ اک نیا منظر روز اُبھارتے رہیے

کب تک ان کی خاموشی، تابہ کے تغافل بھی
نام ان کا رَٹ لیجے اور پکارتے رہیے

زندگی قسیحرِ اب تک آپ کی نہیں سنوری
دامنِ تخیل کو بس سنوارتے رہیے

بلا سے زمانے کے بے داد ہوں گے
جو تم خوش رہو گے تو ہم شاد ہوں گے
کرے لاکھ بلبل فغاں اس چمن میں
کبھی گل نہ مائل بہ فریاد ہوں گے

قیم الحق گیاوی

جلائیں شمع ادھر روشنی حیات کو دیں
چراغ کس لیے وقفِ مزار کرتے ہیں
سُنا ہے، آپ کا شیوہ ہے لطف و مہر تو پھر
خطا معاف، خطا کیوں شمار کرتے ہیں

پیارے تھے وہ نہ تم ہو ہمارے، کہیں تو کیا
لائے سفینہ کون کنارے، کہیں تو کیا

تم ہو غضب کے لوگ، غضب کر رہے ہو آج
ہر سمت ہیں غضب کے نظارے، کہیں تو کیا

شعلہ دہن ہو تم کبھی شعلہ مزاج ہو
سایہ فگن ہیں ہم پہ شرارے، کہیں تو کیا

کل چپ تھے، بولنے کی اجازت نہ تھی ہمیں
اب دل پہ چل رہے ہیں جو آرے، کہیں تو کیا

ہم کو امیدیں تم سے بہت تھیں مگر قسیم
تم بن گئے ہو راج دُلارے، کہیں تو کیا

وہ پاسبانِ حرم پاسبانِ عالم تھا

یہ کس پہ آہ اچانک گری ہے برقِ اجل
یہ کس کے واسطے دُنیا کی آنکھ ہے جل تھل
شہید کون ہوا عزم کی فصیلوں پر
یہ کس کی موت پہ رنگِ جہاں گیا ہے بدل

وہ دیں پناہ شریعت کا ایک خادم تھا
وہ شاہ ہوکے بھی مِلّت کا ایک خادم تھا
وہ ایک سایۂ رحمت تھا خیر اُمّت پر
وہ بارگاہِ رسالت کا ایک خادم تھا

قیسم الحق گیاوی

نظر تھی اس کی زمانہ کی چال پر ہر دَم
وہ اس صدی میں بھی رکھتا تھا حیدری دم خم
وہ دشمنانِ شریعت تھے لرزہ بر اندام
جو چاہتے تھے کہ جھک جائے دین کا پرچم

وہ پاسبانِ حرم، پاسبانِ عالم تھا
ہر ایک مُلک کی نظروں میں وہ مکرم تھا
وہ ایک خادمِ انسانیت تھا دُنیا میں
کہ اس کے ہاتھ میں انسانیت کا پرچم تھا

نہ پہنچی قبلۂ اوّل تک آہ اُس کی جبیں
نہ پڑھ سکا دمِ آخر نماز اقصیٰ میں
خدا کرے کہ پہنچ جائے بن کے اک فاتح
ہمارا خالدِ ملّت نواز اقصیٰ میں

نہ آسکیں گے یہاں لوٹ کر شہِ فیصل
سنبھل مرے دلِ مضطر کسی طرح سے سنبھل
امید ہے کہ حکومت بھی شاہ خالد کی
۱۰۶ ائمۂ شہ مرحوم پر کرے گی عمل

دعائے مغفرتِ شاہ فیصلِ مرحوم
ہر اک زباں پہ ہر اک دل میں ہے یہ ہے معلوم
دعا یہی ہے خدا سے کہ اب قسیمؔ اُس کا
مقام جنت فردوس ہو، کہ ہے مظلوم

قسیم الحق گیاوی

مسافر بہت تیز رَو ہے نہ روکو

وہ دیکھو چلا ایک تنہا مُسافر
چلا سوئے منزل یکتا مُسافر
عجب شان والا ہے یکتا مُسافر
چلا ہے تو چلتا رہے گا مُسافر

مُسافِر بہت تیز رَو ہے نہ روکو

گُلوں کی نہ کچھ گلعذاروں کی پروا
نہ رستہ کے رنگیں نظاروں کی پروا
نہ رہ روکنے والے خاروں کی پروا
نہ گرداور پتھّر نہ غاروں کی پروا

مُسافِر بہت تیز رو ہے نہ روکو

قیلم الحق گیاوی

گرا، گر کے سنبھلا، سنبھل کر اُٹھے گا
اُٹھے گا تو اُٹھ کر وہ آگے بڑھے گا
چلے گا وہ منزل کی جانب چلے گا
رُکا ہے، نہ روکے سے ہرگز رُکے گا

مُسافِر بہت تیز رَو ہے نہ روکو

اُسے دوستوں کی رقابت کی پروا
نہ کچھ دشمنوں کی عداوت کی پروا
نہ کچھ حاسدوں کی شرارت کی پروا
نہ طوفاں کی فکر نہ آفت کی پروا

مُسافِر بہت تیز رَو ہے نہ روکو

رکاوٹ بنو گے تو نقصان ہو گا
تمہاری ہی ذلّت کا سامان ہو گا
نہ روکو گے تو خود یہ احسان ہو گا
کہ بڑھنا تمہارا ابھی آسان ہو گا

مُسافِر بہت تیز رَو ہے نہ روکو

نقش نامعتبر — نسیم الحق گیاوی

شاہدہ

تم نہ خوابوں کی پری ہو نہ کوئی ماہ جبیں
تم نہ معشوقِ ستم گر ہو نہ محبوبِ حسیں
دل رُبا تم ہو نہ دل دار، نہ ہو دل کے نگیں
گھر کی زینت ہو، مری بیوی ہو اور کچھ بھی نہیں

پھر بھی اس طرح سے کیوں تم ہو مرے دل کے قریں
کیوں دبے پاؤں مرے شعر میں تم آنے لگیں

تم تو اک سیدھی سی لڑکی ہو ادا کیا جانو
تم وفادار سراپا ہو جفا کیا جانو
تم تو معصوم ہو اندازِ خطا کیا جانو
رنگ کیا بدلا ہے دُنیا نے نیا کیا جانو

پھر بھی اس طرح سے کیوں تم ہو مرے دل کے قریں
کیوں دبے پاؤں مرے شعر میں تم آنے لگیں

لیم الحق یگادی

نقشِ نامعتبر

میں تو عاشق نہ بنا، مجھ پہ فدا تم ہی ہوئیں
مرے ہر حکم پہ راضی برضا تم ہی ہوئیں
مری باتوں پہ بس اک "ہاں" کی صدا تم ہی ہوئیں
بے نوا میں تھا مرے گھر کی نوا تم ہی ہوئیں

پھر بھی اس طرح سے کیوں تم ہو مرے دل کے قریب
کیوں دبے پاؤں مرے شعر میں تم آنے لگیں

تم تو اک گاؤں کی پروردہ و پرداختہ ہو
جیسے اک شعر، جو سادہ سا ہو بے ساختہ ہو
میرے ہر حکم پہ ہر دم سپر انداختہ ہو
میرے گھر کے لیے تم امن کی اک فاختہ ہو

بس یہی بات ہے جو تم ہو مرے دل کے قریں
اور دبے پاؤں مرے شعر میں تم آنے لگیں

رستہ کی تلاش

جنگل جنگل بھٹک رہا ہوں
اک جنگل تسکینِ انا کا
اک جنگل ہے پیٹ کا جنگل
اک جنگل جنسی خواہش کا
اک جنگل بچّوں کی محبّت
اک جنگل گھر بار کی اُلفت
اک جنگل رشتوں ناتوں کا
اک جنگل تشہیرِ سخن کا
اک جنگل تزئینِ چمن کا
اک جنگل سے جب بھی نکلا
دوسرا جنگل سامنے آیا

فہیم الحق گیاوی

کب تک جنگل جنگل بھٹکوں؟
کب تک قدم قدم پر اٹکوں؟
کب سیدھا اک رستہ ملے گا؟
وہ رستہ جس میں ہے نعمت
وہ رستہ جو غیظ و غضب سے
وہ رستہ جو گمراہی سے
دُور بہت ہے دُور بہت ہے
کب وہ رستہ آساں ہوگا؟
کب ہم اس رستے پہ چلیں گے؟
کب ہم منزل پر پہنچیں گے

عید

مہِ رمضاں چلا اور عید آئی، آپ کیوں روئیں
بہت مسرور ہے ساری خدائی، آپ کیوں روئیں

یہ سچ ہے، ماہِ رمضاں کی وہ رونق اب کہاں لیکن
نہیں کم عید کی بھی دل رُبائی، آپ کیوں روئیں

وہ سحری اور وہ افطار کی لذّت نہیں لیکن
گلے ملتے ہیں اس دن بھائی بھائی، آپ کیوں روئیں

مہِ رمضاں تھا رحمت تو یہ دن بھی روزِ نعمت ہے
نئی نعمت دلوں نے پھر ہے پائی، آپ کیوں روئیں

یہ عید الفطر کی نعمت ملی ہے، شکر کا دن ہے
مُسرّت کی گھڑی پھر آج آئی، آپ کیوں روئیں

نسیمو اگلے برس پھر ماہِ رمضاں میہماں ہوگا
کریں کیوں آج فکرِ بے نوائی، آپ کیوں روئیں

نسیم الحق گیاوی — نقش نامعتبر

ننگِ ہُنر

(غزل نما نظم)

ڈگریاں لے کے ہم دیدہ ور بن گئے
ذہن خالی تھا ننگِ ہُنر بن گئے

ایک مخلص مِلا ، اس کی امداد سے
اک مقالہ لکھا، ڈاکٹر بن گئے

چند بے قافیہ نظمیں شائع ہوئیں
یعنی شاعر بھی ہم جلد تر بن گئے

کچھ مضامین بھی ہم نے چھپوا دیئے
چھ مہینے میں ہم نامور بن گئے

عقل کی داد دیجے ، نہ دیجے مگر
ہم تو مشہور اہلِ نظر بن گئے

قسیم الحق گیاوی

شاعر کی دُنیاداری

پہلے شعر بہت کہتا تھا
سارے شاعر
سارے شعر و سخن کے رسیا
مجھ سے پیار بہت کرتے تھے

قسیم الحق گیاوی

میری بیوی دُلہن بن کر پہلے پہل جب گھر آئی
میں نے دیکھا
میری بیوی سو غزلوں پر بھاری ہے
شعر تو کہنا میں نے نہ چھوڑا
کبھی کبھی کہہ لیتا تھا
شعر و سخن کے رسیا مجھ سے روز نیا کچھ کھوجتے تھے
روز کہاں سے غزلیں لاتا؟
بیوی کا بھی کچھ حق تھا ۔ !
شعر و سخن کے رسیا مجھ سے روٹھے روٹھے رہنے لگے

کچھ دن یوں ہی بیتے

اور پھر

میرا بچہ گود میں آیا

میں نے جب بچے کو دیکھا

مجھ کو یوں محسوس ہوا

میرا بچہ

میری غزلوں، میری نظموں، میرے ادب سے پیارا ہے

شعر سے رشتہ اب بھی نہ ٹوٹا

لیکن میرے بچے کا

مجھ پر اس سے زیادہ حق ہے۔!!

کبھی کبھی اب "آمد" پر

کچھ کچھ موزوں کرتا ہوں

ورنہ بچہ گود میں لے کر

اسی سے کھیلا کرتا ہوں

مری جاں ہاتھ سے جائے مگر جالی نہ جائے گی
مدینہ سے کبھی جھولی مری خالی نہ جائے گی
محمدؐ کی محبت ہی نہ ہو جس دل میں اُس دل میں
کبھی ایمان کی بنیاد ہی ڈالی نہ جائے گی
نبیؐ کی ہر ادا پر ہم فدا جب تک نہیں ہوں گے
کبھی واللہ ہم لوگوں کی بدحالی نہ جائے گی
نسیمؔ اپنا عقیدہ ہے کہ میدانِ قیامت میں
محمدؐ کی شفاعت ایک بھی ٹالی نہ جائے گی

نسیم الحق گیاوی

بازخواں

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے بازخواں ایں قصۂ پارینہ را

تسلیم الحق گیاوی

نقش نامعتبر

چھلنی جگر ہو تو بھی تبسّم بہ لب رہو
دل رو رہا ہو پھر بھی نہ آنکھیں ہوں اشکبار
چہرے کو بننے دو گے اگر دل کا آئینہ
ہونا پڑے گا تم کو بھی ہر لمحہ شرمسار
ہم کو صلیب پر نہ چڑھاؤ، اُتار لو
ہم بھی گناہگار ہیں تم بھی گناہگار

نہ دوستی کے طریقے نہ دشمنی کے اصول
وہ میرے ساتھ رہے ایک اجنبی کی طرح

نہ آئے آپ، مگر گلشنِ تصوّر میں
کوئی بہار بداماں ہے آپ ہی کی طرح

اب بھی ہوئی نہ دُور مرے دل کی تیرگی
یادوں کے سو چراغ فروزاں ہوئے تو کیا

چہرے پہ اب بھی نقشِ تبسم ہے برقرار
زخموں کے سلسلے تہِ داماں ہوئے تو کیا

قیم الحق گیاوی

چھوڑ دیجے مجھے میرے احوال پر
پُرسشِ غم نہ کیجے، کرم کیجیے
ہم بھی ہیں آپ کے دل بھی ہے آپ کا
شوق سے آپ مشقِ ستم کیجیے

کچھ لطفِ زندگی ہے نہ کچھ شانِ زندگی

سر پر اُٹھائے پھرتے ہیں احسانِ زندگی

کیوں دیدی زندگی ہمیں اے جانِ زندگی

ہم کب ہوئے تھے آپ سے خواہانِ زندگی

پروائے آرزو نہ کروں کیسے دوستو!

دل کش بہت ہیں جتنے ہیں ارمانِ زندگی

پھولوں کی آرزو میں بھٹکتا رہا مگر

کانٹوں سے بھر گیا مرا دامانِ زندگی

پردۂ ذہن پہ ہو جشنِ چراغاں برپا
میں اگر یاد کی شمعوں کو فروزاں کر لوں
درد کے پھول کھلیں، پھوٹیں غموں کی کلیاں
رفتہ رفتہ دلِ محزوں کو گلستاں کر لوں

اُمیّد کا چراغ نہ بجھ پائے دیکھنا
تاریک دل کی بزم نہ ہو جائے دیکھنا
گلزارِ زندگی میں خزاں ہو کہ ہو بہار
دل کی شگفتگی میں نہ فرق آئے دیکھنا

نئی فضا ہے، نئی بزم ہے، دماغ نئے
جلاؤ دوستو محفل میں اب چراغ نئے

نہ منزلوں کا پتہ ہے، نہ کارواں ہے کوئی
نئی ہے راہ، نئے راہرو، سُراغ نئے

عجیب رنگ ہے صحنِ چمن کا آج قسیمؔ
کہ بلبلوں کے مقابل ہیں اب تو زاغ نئے

جہاں ترے قدم پڑے وہیں پہ پھول
خدا ہی جانے بن گئے ہیں گلستاں کہاں کہاں
چلے تھے ہم تو چل پڑے تھے سینکڑوں ہمارے ساتھ
بتائیں کیا، بچھڑ گئے ہیں ہمرہاں کہاں کہاں

یاسمین و نسترن کی بات میں کیسے کروں
دشت میں رہ کر چمن کی بات میں کیسے کروں
میرا دامن چاک ہے، میرا گریباں چاک ہے
پھر کسی گل پیرہن کی بات میں کیسے کروں

قیسم الحق گیاوی

دھول سی اُڑتی ہے، ویرانی ہے، سناٹا سا ہے
کس طرح ویران ہوتا ہے دلِ آباد بھی

آپ کا وعدہ معاذ اللہ! کیا وعدہ ہے خوب
آپ نے کل کیا کہا تھا؟ آپ کو ہے یاد بھی؟

 نسیم الحق گیاوی

یادوں کی ہوا آئی، وعدوں کی گھٹا چھائی
رم جھم نہ ہوئی لیکن چلتی رہی پُروائی
کب تم کو قرار آیا، کب ہم کو بھی نیند آئی
تم نے بھی سزا پائی، ہم نے بھی سزا پائی

اپنوں کے ستم بھی ہیں غیروں کے کرم بھی ہیں
دُنیا کے مرے دل پر احسان ہزاروں ہیں
پہچانو گے کتنوں کو، سمجھاؤ گے کتنوں کو
انساں کے لبادے میں شیطان ہزاروں ہیں

قسیم الحق گیاوی

تلاشِ زندگی اللہ اکبر
کہ ہم کوئے بتاں تک آ گئے ہیں

شیریں دہن رہو کبھی شعلہ بیاں رہو
اپنی مثال آپ رہو، تم جہاں رہو

تلوار چل رہی ہے کلیجہ پہ سانس کی
کیا کہنے زندگی ترے رعب و جلال کے

تلاش بجلیوں کو ہے تو بس یہی تلاش ہے
بنا رہے ہیں ہم چمن میں آشیاں کہاں کہاں

ہم بدلے ہیں، یا بدلی ہیں دنیا کی فضائیں
کیوں ہم کو ہر اک آدمی بیگانہ لگے ہے

قیم الحق گیاوی

نقش نامعتبر

بندہ پرور جسے پیغامِ اجل کہتے ہیں
ہم اُسے مسئلۂ زیست کا حل کہتے ہیں

رہیں شگفتہ بہ ظاہر تو کم سے کم ہم لوگ
ہمارے سینوں میں دل ہوں ہزار افسردہ

موتی کہاں ہے اس میں کوئی سیپ بھی نہیں
دیکھا ہے زندگی کا سمندر کھنگال کے

تو بدلتا ہے تو ہر بات بدلتی ہے تری
کس طرح تجھ پہ بھروسا دلِ ناداں گم ہوں

آئینہ دارِ دل ہیں دُرِ شاہوار ہیں
ان آنسوؤں کی قدر نہ کیوں عمر بھر کروں

دِلوں کے اندھیرے اگر دُور ہوں گے
تو چہرے ہمارے بھی پُر نوُر ہوں گے

بس گئے، ترے جلوے جب سے ان نگاہوں میں
روشنی سی ملتی ہے زندگی کی راہوں میں

تنہائیوں میں بھی نہ کرو دردِ دل بیاں
سُنتا نہ ہو کوئی پسِ دیوار چُپ رہو

سچّائیوں کو مصلحتیں کھا چکی ہیں دوست
اعلانِ حق ہے باعثِ آزار چُپ رہو

اُٹھتی ہے بات بات پہ آفت نئی قسیمؔ

بنتا ہے لفظ لفظ گنہگار چُپ رہو

سارے الزامات تو رہزن کے سر تھوپے گئے
بات میرِ کارواں تک آئے تو کس طرح آئے

غموں کی قدر کرو، غم کے ساتھ رہو
کہ غم فریب نہ دیں گے تمہیں خوشی کی طرح

اُسے ہم نے اپنا چمن سونپ ڈالا
گلستاں کو جس نے گلستاں نہ سمجھا

مل جائیں قدرداں تو لنڈھاؤ غزل کے جام

ہوں جمع ناشناس تو مثلِ بُتاں رہو

جو لوگ جان بوجھ کے گمراہ ہو گئے
ان گمرہوں کو جادۂ منزل دکھائے کون

غم معتبر مِلا نہ خوشی معتبر ملی
اے زندگی! مجھے تو عجب موڑ پر ملی

احساس ہی شباب کا، دراصل ہے شباب
جب تک تمہارے بس میں ہو بن کر جواں رہو

اے سیلِ حوادث! تو ذرا سوچ کے آنا
یہ کشتیِ دل ہے خس و خاشاک نہیں ہے

زندگی کی مسرت نہ کم کیجیے
فکرِ غم کی جگہ قدرِ غم کیجیے

کچھ تو اپنی سادہ لوحی، کچھ زمانے کا ستم
جی رہا ہوں، پھر بھی جینے کا مزا کوئی نہیں

پانی کا بُلبلہ جسے کہتے ہیں ہم قسیم
اُس زندگی کے واسطے آنسو بہائے کون

رنگِ جدید ہو کہ قدامت ہو شعر میں
ہونے نہ پائے آپ کا طرزِ بیاں خراب

بہارِ گلشنِ یزداں محمدِ عربی
کتابِ عرش کے عنواں محمدِ عربی
قسیم دولتِ ایماں محمدِ عربی
رئیسِ بزمِ رسولاں محمدِ عربی
پلا رہے ہیں دو عالم کو اپنے ہاتھوں سے
شرابِ وحدتِ یزداں محمدِ عربی
خدا کے واسطے مُسلم پہ اب توجہ ہو
ہیں نیم جاں یہ مُسلماں محمدِ عربی

قسیم الحق گیاوی

یہ انساں جن کے فیضانِ کرم سے آج انساں ہے
انھیں کی مدحت و توصیف میرا دین و ایماں ہے

یہ دُنیا، یہ زمیں، یہ آسماں، یہ چاند، یہ تارے
غرض یہ ذرّہ ذرّہ آپ کا ممنونِ احساں ہے

حیاتِ پاک کا ایسا نمونہ آپ نے رکھا
جو محشر تک برائے اتّباعِ جنّ و انساں ہے

وہ رُتبہ آپ نے پایا کہ ہمرتبہ نہیں کوئی
جو برتر آپ سے ہے وہ فقط اک ذاتِ یزداں ہے

زبانِ خلق ہے مدّاحِ وصفِ رحمتِ عالم
ثنا خواں آپ کا وہ بھی ہے جو محرومِ ایماں ہے

زہے قسمت جسے وابستگی ہے ان کے دامن سے
کہ وجہِ سرفرازیِ دو عالم ان کا داماں ہے

زبانِ حضرتِ حسّان رضؓ ہم کو بھی خدا یا دے
یہی اپنی تمنّا ہے یہی اک دل میں ارماں ہے

ثنا خوانی قسیمِ بے نوا کیا کر سکے اُن کی
خدائے قادر و قیّوم جن کا خود ثنا خواں ہے

نقش نا معتبر

قسیم الحق گیاوی

نقشِ نامعتبر

یہ میرا چوتھا مجموعۂ کلام ہے، جو شائع ہو رہا ہے

میں اب بھی نہیں کہہ سکتا کہ یہ شاعری ہے یا کچھ اور

اس مجموعہ میں جو کچھ ہے، کلام موزوں ضرور ہے،

وہ لوگ جو پڑھتے رہے ہیں، سخن فہم و سخن رس ہیں،

پڑھ کر جذب کر چکے ہیں، بصیرت حاصل کر چکے ہیں

ان اہلِ بصیرت، صاحب الرائے حضرات سے میری درخواست ہے کہ

وہ اس مجموعہ کو پڑھنے کی زحمت گوارہ فرمائیں

اور مجھے بتائیں کہ اس میں جو کچھ ہے وہ شاعری ہے یا نہیں؟

شاعری ہے تو کس درجہ کی اور کیسی؟

قسیم الحق گیاوی

QASIMUL HAQUE GAYAWI

مستقل پتہ :- باٹم برج، چھتہ مسجد، گیا (بہار)

BOTTOM'S BRIDGE

موجودہ پتہ :- ... ...

CHHATTA MASJID

... ...

GAYA, (BIHAR)

NAQSH-E-NAMOTABAR

Qasimul Haque Gayawi

The Cultural Academy, Reena House, JAGJIWAN Road
Gaya

Price Rs. 12.00